دینی مدارس انسان گر یا دہشت گرد؟

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اگر کسی بھی شخص سے پوچھا جائے کہ تم اپنے ملک میں کچھ ایسے ادارے اور تنظیموں کی رہنمائی کرو جو نو عمروں کو انسان بناتی ہو، جو اس لئے تعلیم دیتی ہو کہ آدمی، آدمی بن جائے، جس کے نزدیک تعلیم کا مقصد پیٹ بھرنا نہ ہو، بلکہ جس کا مقصد روح کو پاکیزہ بنانا ہو، جہاں ایسے علوم سکھائے جاتے ہوں، جس کا بنیادی مقصد مخلوق کی محبت پیدا کرنا اور ان کی خدمت کا جذبہ ابھارنا ہو، تو یقیناً یہ ایک مشکل سوال ہوگا اور اس کا جواب دینا آسان نہ ہوگا۔

اگر آپ ایوانِ سیاست میں ایسے لوگوں کو تلاش کریں گے تو یہ رات میں سورج کو تلاش کرنے کے مترادف ہوگا، جھوٹ، دھوکہ بازی، غلط بیانی، عہد شکنی، جوڑ توڑ اور کرپشن آج کی سیاست کا خمیر ہے، سیاست کی منزل اونچے سے اونچے عہدے کا حاصل کرنا اور اس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ پیسے کمانا ہے، قوم کی فلاح و بہبود یا ان کے مسائل سے اہل سیاست کو کوئی دلچسپی نہیں، اور اگر کچھ ہے تو صرف ووٹ بینک کی حفاظت کے لئے۔

آیئے ایک قدم آگے! اور عالی شان اور بلند نشان درس گاہوں کے احاطہ میں تشریف لایئے، یہاں آپ کو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی خوب صورت اور دیدہ زیب عمارتیں نظر آئیں گی، ایسے سبزہ زار ملیں گے کہ نگاہ ہٹنا نہ چاہے، کتابوں سے آراستہ و پیراستہ کتب خانے بھی آپ کا خیر مقدم کریں گے اور طلبہ و طالبات کی ایک بھیڑ تتلیوں کی طرح ایک طرف سے اڑ کر دوسری طرف جاتی ہوئی نظر آئے گی، لیکن کیا آپ کو یہاں انسان مل جائیں گے؟ اس کا مثبت جواب دینا مشکل ہے، شور و غل، احتجاج، مظاہرے، نعرہ بازیاں، بھوک ہڑتال، اساتذہ کے ساتھ استہزاء، طلبہ کی ایک دوسرے کے ساتھ رقیبانہ اور حریفانہ کشمکش، منشیات، ایسی باتیں ہیں جنہیں تلاش کرنے اور ڈھونڈنے کی حاجت نہیں ہوگی، بلکہ آپ اس کو اتنا وافر اور اس قدر علانیہ محسوس کریں گے کہ جیسے کوئی شخص لمبے چوڑے اور رواں دواں دریا کے پاس بیٹھا ہوا اور پانی کی طلب میں ہو، کوئی برائی نہیں کہ آپ اسے اس ماحول میں تلاش کرنا چاہیں اور آپ کو مایوسی ہو، قتل، اغوا، غصب،

چوری، عصمت ریزی، بڑوں کی بے توقیری، چھوٹوں کے ساتھ ہتک آمیز سلوک کے واقعات اب کالجوں اور اسکولوں میں اتنے زیادہ ہونے لگے ہیں کہ یہ ایک معمول کی بات ہے اور ابتدائی تعلیم ہی کے زمانہ میں ریگنگ کے ذریعہ ان غیر اخلاقی افعال کی ابتداء ہو جاتی ہے۔

اس میں صرف طلبہ وطالبات کو قصور وار قرار دینا قرین انصاف نہیں، اصل میں ہم نے نظام تعلیم ہی ایسا بنایا ہے جس میں اخلاق اور تہذیب کے لئے کوئی جگہ نہیں، طلبہ ہوں یا اساتذہ، ان کے نزدیک تعلیم محض ذریعہ معاش ہے، تعلیم کا مقصد اول تا آخر پیسے کا حاصل کرنا اور پیٹ کا بھرنا ہے، ان علوم میں خدمت انسانی کے اعتبار سے سب سے اہم شعبہ ''طب'' کا ہے، لیکن آج معالجین کا حال یہ ہے کہ چاہے مریض جاں بہ لب اور آپریشن کی میز پر ہو، جب تک معقول پیسے وصول نہ کر لئے جائیں، ڈاکٹر کا قلم جنبش کرنے کو بھی تیار نہیں، قتل وراہزنی کے بڑے بڑے مقدمات میں ایسے لوگ ماخوذ ہو رہے ہیں جن کے پاس اعلیٰ ڈگریاں موجود ہیں، کھانے کا ذائقہ خراب ہو تو نمک سے اس کی اصلاح ہوتی ہے، لیکن جب نمک ہی کا مزہ بگڑ جائے تو اس کی اصلاح کیوں کر ہوگی؟ یہی بات تو آج کل تعلیم گاہوں کے بارے میں کہی جاسکتی ہے، سماجی بگاڑ دور کرنے کا ذریعہ تعلیم ہے، لیکن اگر تعلیم حاصل کرنے والے اور دینے والے ہی اخلاق اور انصاف کا دامن چھوڑ دیں تو کس طبقہ سے امید رکھی جائے کہ وہ شرافت، تہذیب، اخلاق اور انسانیت کا علم تھامے رہیں گے؟؟

لیکن ابھی آپ مایوس نہ ہوں، ان شاء اللہ اس ناامیدی کا علاج آپ کو دینی مدارس میں ملے گا، کسی درس گاہ کے مزاج کو سمجھنے کے لئے تین عوامل بنیادی اہمیت رکھتے ہیں: اول:...... درس گاہ کا تربیتی ماحول، دوسرے:...... درس گاہ کا نصاب تعلیم، تیسرے:...... تعلیم دینے والے اساتذہ کا مزاج وکردار۔

جہاں تک تربیتی ماحول کی بات ہے تو عام طور پر صبح کی پو پھٹنے سے پون گھنٹہ ایک گھنٹہ پہلے ہی مدارس میں طلبہ بیدار کئے جاتے ہیں اور تلاوتِ قرآن سے مدارس کی فضا گونج اٹھتی ہے، پھر فجر کی نماز اور نماز کے بعد پھر تلاوتِ قرآن، اس کے بعد صبح سے رات گئے تک یہی پڑھنا اور پڑھانا اور وقتاً فوقتاً دس بیس منٹ کے تذکیری اجتماعات، جس میں اخلاق اور تقویٰ کی تعلیم دی جاتی ہے، صرف عصر تا مغرب کا وقت ورزش، کھیل کود وغیرہ کے لئے مخصوص ہے، اس ماحول میں چھوٹے جس طرح بڑوں کا ادب کرتے ہیں، شاید ہی اس کی کوئی مثال مل سکے، اساتذہ سے بے پناہ محبت، احترام، بے حد جذبۂ خلوص اور اساتذہ کی خدمت کرنے میں مسابقت کا جذبہ، پھر اساتذہ کے اندر بھی اپنے شاگردوں کے ساتھ اتھاہ شفقت ومحبت اور چاہت، ان کو بہتر سے بہتر بنانے کی امنگ اور خوب سے خوب تر کی کوشش، اساتذہ وطلبہ کی عام زندگی سادہ، تکلفات سے خالی اور قناعت شعار، اس پورے ماحول میں ہر جگہ محبت کی شبنم ہی ملے گی نہ کہ نفرت کا شعلہ، نہ کسی کے خلاف لاٹھی اور تلوار کی مشق، کیا یہ ماحول کسی انسان کو دہشت گردی کی تعلیم دے سکتا ہے؟!

انسانی ذہن کی تشکیل میں بہت بڑا حصہ ان مضامین اور کتابوں کا ہوتا ہے جن کو وہ پڑھتا ہے، اس لئے شخصیت سازی

میں نصاب تعلیم کا بھی اہم کردار ہے، اس نقطہ نظر سے دیکھئے تو دینی مدارس کے بنیادی عناصر دو ہیں: قرآن اور حدیث، قرآن خدا کی کتاب ہے اور اس کی ابتداء ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے ہوتی ہے، ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' کے معنی ''نہایت مہربان'' اور ''بے حد رحم کرنے والے'' کے ہیں، گویا قرآن اپنے پہلے فقرہ میں ایسے خدا کی یاد دلاتا ہے جس کا بنیادی وصف رحم و کرم ہے، یہ گویا انسان کو اس جانب متوجہ کرتا ہے کہ سب سے پیارا وصف اور سب سے بہتر صفت رحم و کرم کی ہے، پھر سورہ فاتحہ کی پہلی آیت میں خدا کے ''رب العالمین'' یعنی تمام عالم کے پروردگار ہونے کا ذکر ہے، اس میں بھی امن و آشتی کی تعلیم ہے کہ ایک انسان نہ صرف تمام انسانوں کو بلکہ تمام مخلوقات کو ایک ہی خاندان اور کنبہ تصور کرے، کیوں کہ خدا کی ربوبیت کے رشتہ نے ان سب کو ایک ڈوری میں باندھ رکھا ہے، قرآن کی تمام تعلیمات کا خلاصہ یہی محبت و پیار، رحم دلی اور عفو و درگزر ہے۔

''حدیث'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کو کہتے ہیں، دنیا جانتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے پیکر رحمت تھے، کتنے ہی مظالم تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو اس سے نجات دلائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو میرے ساتھ ظلم کرے، مجھے اس کے ساتھ بھی رحم اور انصاف کا حکم دیا گیا ہے، جو میرے ساتھ قطع رحمی کرے، میں اس کے ساتھ بھی صلہ رحمی پر مامور ہوں۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی زندگی میں اس کو برت کر دکھایا، عفو و درگزر سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی وصف محبوب نہیں تھا اور ظلم و شقاوت سے بڑھ کر کوئی وصف آپ کو مبغوض نہ تھا۔ حدیث کی کتابوں میں مخلوق پر شفقت و رحمت، ظلم کی مذمت، اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی، غرباء کی مالی اعانت، بھلائی کی دعوت اور برائی سے روکنے کی کوشش، ظالموں کے خلاف احتجاج اور بدرجۂ مجبوری طاقت کے استعمال کی ترغیب، ان سے متعلق احادیث میں مستقل ابواب موجود ہیں، ظاہر ہے کہ یہ تعلیمات انسان کو امن پسند اور محبّ انسانیت بنائیں گی، نہ کہ دہشت گرد اور انسانوں سے نفرت کرنے والا۔

جیسا کہ مذکورہ ہوا انسان کی شخصیت سازی میں دوسرا اہم کردار اساتذ اور مربی کا ہوتا ہے، دینی مدارس کے اساتذہ کی ایک روایت رہی ہے، قناعت، تکلفات سے دوری، سادگی اور توکل علی اللہ ان اساتذہ کا خاص وصف رہا ہے اور یہی وصف ہے جو ان کو ان کے شاگردوں کی نگاہ میں محبوب بنا دیتا ہے، اگر اس سلسلے میں واقعات لکھے جائیں تو ایک اچھی خاصی ضخامت کی کتاب بھی تنگ دامانی کا گلہ کرے گی، مگر ایک واقعہ جو بہت پہلے کا نہیں، ماضی قریب کا ہے، ذکر کئے بغیر نہیں رہا جاتا، سید محمد مبارک محدث بلگرامیؒ، مولانا نور الحقؒ (مصنف تیسیر القاری شرح فارسی صحیح بخاری) کے شاگردوں میں تھے، ان کے بارے میں میر طفیل محمد بلگرامی نے نقل کیا ہے کہ ایک روز میں میر مبارکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، میر مبارکؒ وضو کے لئے اٹھے اور اچانک گر پڑے، ایک گھنٹہ کے بعد افاقہ ہوا، میر طفیل محمد نے بے ہوشی کی وجہ دریافت کی تو

بہت اصرار کے بعد فرمایا:

"تین دن سے کوئی غذا میسر نہیں آئی ہے، لیکن نہ کسی کے سامنے زبانِ سوال کھولی اور نہ ہی قرض لیا، میر طفیل محمد فوراً گھر گئے، عمدہ کھانا جو آپ کو مرغوب تھا، تیار کرایا اور خدمت میں پیش کیا، میر مبارک نے پہلے تو خوشی ظاہر کی اور دعائیں دیں، پھر فرمایا کہ بارِ خاطر نہ ہو تو ایک بات کہوں اور وہ یہ کہ جب تم میری یہ کیفیت دیکھ کر گئے تو مجھے خیال ہوا کہ تم میرے لئے کھانا لانے گئے ہو، اسی کو 'اشراف' کہتے ہیں اور ایسے کھانے کو صوفیاء منع کرتے ہیں، اس لئے میں اسے نہیں کھا سکتا، شاگرد بھی باکمال اور نکتہ شناس تھے، فوراً کھانا اٹھالیا، واپس لے آئے اور لمحہ بھر رک کر دوبارہ اسی کھانے کے ساتھ میر مبارکؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ جب میں نے اس کھانے کو اٹھالیا تو یقیناً آپ کو یہ امید نہ رہی ہوگی کہ میں اسے دوبارہ آپ کے پاس لاؤں گا، پس اب "اشراف" کی کیفیت باقی نہیں رہی، استاذ نے شاگرد کی اس سمجھ داری کی داد دی اور پھر پوری رغبت سے کھانا تناول فرمایا"...... (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت: ۳۹)

یہ کہنا تو مبالغہ ہوگا کہ آپ دینی مدارس کے تمام اساتذہ سے میر مبارکؒ کے کردار کی توقع رکھیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ ایک اچھی چیز کی سطح گر بھی جائے تب بھی اس کا ایک معیار ہوتا ہے، اس لئے یہ ایک حقیقت ہے کہ آج بھی "اجرت" کے بجائے "اجر" پر نظر رکھنے، تعلیم کو ایک مقدس فریضہ سمجھنے اور طلبہ سے محبت وشفقت کا برتاؤ کرنے کی جو روایت باوجود بہت سارے انحطاط کے ان مدارس میں پائی جاتی ہے، شاید ہی کہیں اور اس کی مثال مل سکے، جو لوگ اس مزاج ومذاق کے حامل ہوں کیا وہ انسانیت دوستوں کے بجائے انسانیت دشمنوں کو پیدا کریں گے اور محبت وآشتی کے بجائے ان کو نفرت اور دہشت گردی کا سبق دیں گے؟! اس لئے دینی مدارس کو دہشت گردی کا طعنہ دینا ان کو رات کہنے سے کم بڑا جھوٹ نہیں اور دراصل یہ اپنے جرم کی پردہ پوشی اور سورج پر تھوکنے کی سعی ہے۔

☆......☆......☆

ختم بخاری میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کا معمول

مولانا عبدالرحمٰن مظاہری مدظلہ کہتے ہیں، ہمارے حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ عام لوگوں کو ایسا موقع بہت کم دیا کرتے تھے کہ وہ اختتام بخاری کے لئے جمع ہوں حتیٰ کہ طلباء کو بھی واضح طور پر یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ حضرت شیخ کس دن اختتام کرنے والے ہیں۔ بس طلبا اپنے اپنے اندازوں پر اہل شہر کو اطلاع دے دیا کرتے تھے۔ یہ شیخ الحدیث کا اپنا مخصوص مزاج تھا کہ وہ ہجوم اور شہرت سے دور رہنا پسند کرتے تھے۔

☆......☆......☆